اجتہاد کی اہلیت وصلاحیت

قدیم اور بعض معاصر فقہاء کے نقطۂ نظر کا جائزہ

* ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

اجتہاد کے موضوع پر اس کی ضرورت واہمیت پر گذشتہ نصف صدی سے بہت کچھ لکھا جا رہا ہے، خاص طور پر اجتہاد کی ضرورت واہمیت پر اہل علم نے بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ موضوع تفصیل سے زیر بحث آ چکا ہے کہ باب اجتہاد کھلا ہے یا بند ہے وغیرہ۔ اس بحث کے نتیجہ میں آج کے اہل علم اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ باب اجتہاد بند ہے ہے۔ لہذا اہل اجتہاد کا فرض ہے کہ وہ ان پیش آنے والے مسائل میں جن کا حکم نصوص قطعیہ (قرآن وسنت) میں نہ ملتا ہو، اجتہاد کے ذریعہ حکم شرعی کو جاننے کی کوشش کریں۔

اس مقالہ میں ہم مجتہد کی علمی صلاحیت اور اہلیت پر بحث کریں گے، اور یہ دیکھیں گے کہ متقدمین فقہاء نے کن شرائط پر زور دیا ہے، اور متاخرین نے ان شرائط میں کیا اضافے کئے ہیں۔ معاصر فقہاء کا نقطۂ نظر کیا ہے، اور یہ کہ آج ہم کن شرائط کے حامل کو اجتہاد کا حق دے سکتے ہیں۔ اس موضوع پر بھی گفتگو کی جائے گی کہ اُمت کے اجتماعی امور میں اجتہاد کا حق کسی ایسے ادارے کو دیا جا سکتا ہے جو اجتہادی رائے کو قانون کے طور پر نافذ کرنے کی استطاعت بھی رکھتا ہو اور اس ادارے کو جمہور امت کا اعتماد بھی حاصل ہو۔

متقدمین میں ابوبکر جصاص (م ۳۷۰ھ) نے اس موضوع پر بحث کی ہے۔ انہوں نے مجتہد کے لیے علوم عقلیہ اور علوم نقلیہ دونوں سے آگاہی کو ضروری قرار دیا ہے۔ مجتہد کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ وہ زیر بحث مسئلہ میں شریعت کا نقطہ نگاہ جاننے کی کوشش کرے، لہذا شریعت کے بنیادی مصادر سے واقفیت تو اس کے لیے لازمی ہے یعنی کتاب اللہ پر گہری نظر، سنت ثابتہ سے واقفیت، قرآن وسنت کی زبان اور اسالیب بیان سے آگاہی بہر صورت ضروری ہے۔

---

* پروفیسر ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

جصاص کے نزدیک مجتہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ آثارِ صحابہ، اور اخبار تابعین و تبع تابعین سے بھی واقف ہو، یا کم از کم زیر بحث مسئلہ کے بارے میں اپنے سے پہلے علماء کی آراء اور ان کے دلائل کا علم رکھتا ہو۔

جس طرح آج کسی موضوع پر تحقیق کرنے والے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ جس موضوع پر کام کرنا چاہتا ہے، اس پر اس سے پہلے اہل علم جو کام کر چکے ہیں، اس کا جائزہ لے اور پھر اس کی روشنی میں اپنی تحقیق کو آگے بڑھائے، بالکل اسی طرح مجتہد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے سے پہلے مجتہدین کی آراء کا سروے کرے اور پھر اپنی رائے پیش کرے۔

جصاص کی رائے میں علوم شرعیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کا جاننا بھی ضروری ہے: ویکون مع ذالك عالما بأحكام العقول و دلالاتها وما يجوز فيها مما لا يجوز (۱) علوم شرعیہ کے ساتھ مجتہد کو احکام عقلیہ سے بھی واقف ہونا چاہیے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقلی، دلائل کو سمجھتا ہو، وہ جانتا ہو کہ عقلاً کیا چیز صحیح ہے اور کیا چیز غلط ہے۔ مجتہد کے لیے وجوہ استدلال سے آگاہی اور عقلی قیاس کے طریقوں سے واقفیت بھی ضروری ہے۔

عقلی علوم میں تغیر اور ارتقاء ہر دور میں ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے دور کے مروجہ عقلی علوم اور طرز استدلال کو بھی سمجھتا ہو، بقول جصاص: وهي طريقه متوارثة عن الصحابة والتابعين (۲) یہ انداز استدلال صحابہ کرام اور تابعین سے وراثتاً ہم تک چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ عباسی دور میں جو فلسفہ اور منطق رائج تھا ہمارے فقہاء نے نہ صرف یہ کہ اس پر مکمل عبور حاصل کیا بلکہ ایک طرف قدیم فلسفہ کی خامیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی تو دوسری طرف ان کے اسلوب استدلال کو اپنی بات ثابت کرنے اور اپنی رائے کو مؤثر انداز میں پیش کرنے کے لیے استعمال کیا۔

ماوردی (م۔۴۵۰ھ) کے نزدیک قرآن وسنت پر عبور اور عربی زبان اس کے اسلوب بیان اور اندازِ خطاب پر قدرت کے ساتھ ساتھ ذہانت و بصیرت بھی ضروری ہے، مجتہد وہی ہو سکتا ہے جو ذوقِ اجتہاد رکھتا ہو، قانونی پیچیدگیوں کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس کی نظر محض ظاہر عبارت تک محدود نہ ہو بلکہ جو کچھ بین السطور میں مستور ہے وہاں بھی اس کی نظر پہنچتی ہو۔ اگر یہ صلاحیت کسی میں موجود نہ ہو تو اسے اجتہاد نہیں کرنا چاہیے۔ ماوردی کے الفاظ یہ ہیں:

((الثالث الفطنة والذكاء ليصل به إلى معرفة المسكوت عنه من امارات المنطوق به ، فان قلّت فيه الفطنة والذكاء لم يصح منه الاجتهاد))

''تیسری شرط یہ ہے کہ وہ بہت ذہین اور زود فہم ہو، تا کہ کلام یا عبارت میں موجود اشارت اور آثار کے ذریعہ اس بات تک پہنچ جائے جس کا ذکر بظاہر کلام میں موجود نہ ہو۔(۳)

امام غزالی رحمہ اللہ (م۔۵۰۵ھ) کے نزدیک شریعت کے مآخذ چار ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، اجماع اور عقل (۴) یہاں امام غزالی رحمہ اللہ نے قیاس کے بجائے عقل کو مآخذ قرار دیا۔اس لیے کہ عقل کے ذریعہ اچھے اور برے کی تمیز کی جاسکتی ہے، عقل ہی کے ذریعہ پتہ چلتا ہے کہ کیا چیز مفید ہے اور کیا چیز ضرر رساں ہے۔علت کا ادراک اور اس کی بنیاد پر قیاس کرنا بھی عقل ہی کا کام ہے، گویا امام غزالی رحمہ اللہ کے نزدیک مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاحب عقل وبصیرت ہو اور علوم عقلیہ پر بھی گہری نظر رکھتا ہو امام رازی رحمہ اللہ (م۔۶۰۶ھ) نے امام غزالی رحمہ اللہ کی اس رائے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مذکورہ چار مدارک شرع (مآخذ ومصادر احکام شرع) کے علاوہ بھی چار علوم ضروری ہیں، ان میں دو مقدم ہیں۔ایک کا تعلق عقلیات سے ہے جس کے ذریعہ کسی علم کی حد اور غرض وغایت کا علم ہو سکے، دلیل کو سمجھنے اور اسے پیش کرنے کا سلیقہ آ جائے۔دوسرے عربی زبان، لغت، صرف ونحو وغیرہ کا علم۔

دو علم انہی مذکورہ بالا علوم اربعہ کی تکمیل کے لیے ہیں ایک کا تعلق کتاب اللہ سے ہے، اور وہ علم الناسخ و المنسوخ ہے، دوسرے علم کا تعلق سنت سے ہے، وہ ہے علم جرح وتعدیل، اور اسماء الرجال، اس طرح یہ کل آٹھ علوم ہیں جن کا جاننا مجتہد کے لیے امام غزالی رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری ہے۔(۵)

عقل وذہانت اور مروجہ علوم عقلیہ کو امام غزالی رحمہ اللہ نے اس لیے ضروری قرار دیا تا کہ مجتہد زندگی کے مسائل کو نفس زندگی اور معاشرہ سے ہم آہنگ اور مربوط رکھ کر ان کا حل پیش کر سکے، اگر وہ ذہین وفطین نہیں ہوگا تو ممکن ہے وہ مسئلہ پر غور وفکر تو کر لے، لیکن اسے اپنے معاشرہ سے مربوط نہ رکھ سکے، ایسی صورت میں اس کی رائے علمی لحاظ سے تو شائد مناسب ہو لیکن ناقابل عمل ہوگی یا اس پر عمل درآمد بہت مشکل ہو جائے گا۔

امام غزالی رحمہ اللہ نے مذکورہ شرائط کے ساتھ ایک شرط کا اور اضافہ کیا ہے، اور اس کے بارے میں کہا ہے کہ

یہ شرط نفس اجتہاد کے لیے نہیں بلکہ اس لیے ہے تا کہ لوگوں کو اس کے اجتہاد پر اعتماد پیدا ہو جائے، وہ شرط ہے عدالت یعنی مجتہد اپنے کردار و عمل کے اعتبار سے لوگوں میں اچھی شہرت رکھتا ہو، اخلاقی اعتبار سے مضبوط ہو۔(۶) خیر القرون میں تو شاید اس شرط کی ضرورت نہیں تھی، خصوصاً اہل علم اور معاشرہ کے نمایاں لوگ وہی ہوتے تھے جو صاحب کردار ہوتے تھے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنے دَور میں اس شرط کی ضرورت محسوس کی تو اس کا اضافہ کر دیا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مجتہد کی شرائط میں حالات و ضرورت کے پیش نظر کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔

آمدی (م۔۶۳۱ھ) نے مجتہد کے لیے دو شرطیں ضرور قرار دی ہیں، لیکن انہوں نے ان شرطوں میں ہی بہت کچھ سمو دیا ہے۔ سب سے پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ مجتہد توحید کو اچھی طرح سمجھتا ہو، وجودِ باری تعالیٰ پر یقین رکھتا ہو، اسے اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم ہو، اللہ تعالیٰ کے حقوق و کمالات سے آگاہ ہو، اس بات کو خوب سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ بذاتہ واجب الوجود ہے، حیّ ہے، عالم و قادر ہے، اپنے ارادہ کا وہ خود مالک ہے، متکلم ہے، توحید پر ایمان و یقین اس قدر مضبوط ہو کہ مجتہد کو من جانب اللہ اپنے مکلّف ہونے کا یقین ہو جائے، رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر جو کچھ وحی کے ذریعہ نازل ہوا ہے اس کی دل سے تصدیق کرتا ہو۔ آپ کی لائی ہوئی شریعت کو مانتا ہو، آپ کے ہاتھوں جو کچھ معجزات اور واضح نشانیاں ظاہر ہوئیں ان کی تصدیق کرتا ہو تا کہ جن اقوال و احکام کو وہ رسول ﷺ کی طرف منسوب کرے پوری تحقیق اور ذمہ داری کے ساتھ کرے۔

اس شرط کا یہ مطلب نہیں کہ وہ علم کلام کا ماہر ہو، بس اتنا علم کافی ہے جو ایمان کے لیے ضروری ہے، یعنی بالجملہ توحید کے دلائل سے واقف ہو، بہت تفصیلی علم کی ضرورت نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ احکام شرعیہ کے مآخذ، اقسام اور اثباتِ احکام کے طرق سے واقف ہو، علم دلالات پر اس کی نظر ہو، اختلافات اور مراتب اختلاف کو جانتا ہو، ان شرائط کو سمجھتا ہو جو اختلاف کے باب میں معتبر ہیں، تعارض ادلہ پر اس کی نظر ہو اور تعارض کی صورت میں ترجیح کے اصولوں کو سمجھتا ہو، احکام کو اخذ کرنے، ضبط تحریر میں لانے اور بیان و وضاحت پر قدرت رکھتا ہو، شریعت کے بارے میں اٹھائے جانے والے اعتراضات کا رد کر سکتا ہو۔(۷)

آمدی رحمہ اللہ کی بیان کردہ شرائط کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ایمان، تعلق باللہ اور تعلق مع لرسول ﷺ کو سرفہرست رکھا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ اس ایمانی تعلق کی وجہ

سے قلب مومن میں علم وآ گہی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اور انسان جہالت کی تاریکیوں سے نکل کر علم و ہدایت کے منور راستہ پر گامزن ہو جاتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾

اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر واضح آیات نازل فرماتا ہے تا کہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَیَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَیَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، وہ تمہیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا، اور تمہارے لیے ایسا نور پیدا فرما دے گا کہ تم اس کی روشنی میں چلنے لگو گے، اور تمہاری مغفرت بھی فرمائے گا، اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے''۔

آمدی رحمہ اللہ نے ایمان وعقیدہ کی شرط کو سرفہرست رکھا ہے، اس لیے کہ انسان کی دنیوی زندگی میں اصلاح اور اعمال صالحہ کا دارومدار صحیح اور مضبوط عقیدہ پر ہے۔ فکری اصلاح کے لیے اسلامی عقیدہ سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی، بالخصوص عقیدۂ توحید کہ اس پر ایمان لانے سے انسان کا سارا تصور کائنات بدل جاتا ہے، آفاق وانفس کے بارے میں اس کا زاویہ نگاہ مکمل طور پر تبدیل ہو جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے نظم تربیت میں دو اصول بہت اہم رہے ہیں۔ ایک اصلاح فکر جس کا دارومدار ایمان کی تعلیم وتربیت پر ہے، اور دوسرے اصلاح رویہ جس کا دارومدار اخلاق حسنہ کی تعلیم وتربیت پر ہے، مجتہد کے لیے دونوں ضروری ہیں، آمدی رحمہ اللہ نے توحید ورسالت پر غیر متزلزل یقین کو ایمان کی صورت میں بطور شرط ذکر کیا ہے، جہاں تک اعلیٰ کردار کا تعلق ہے تو فقہاء نے اسے عدل کی شرط میں سمو دیا ہے۔

دوسری شرط آمدی رحمہ اللہ کی رائے میں یہ ہے:

((ان یکون عالماً عارفا بمدارك الأحكام الشرعية واقسامها وطرق اثباتها و وجوه دلالاتها على مدلو لاتها واختلاف مراتبها والشروط

المعتبره فيها على ما بيناه ، وان يعرف جهات ترجيحها عند تعارضها، وكيفية استثمار الاحكام منها، قادرا على تحريرها وتقريرها، والانفصال عن الاعتراضات الواردة عليها))(۸)

مجتہد احکام شرعیہ کے مآخذ کا عالم ہو اور انہیں خوب سمجھتا ہو، احکام کی قسموں سے واقف ہو، یہ بھی جانتا ہو کہ احکام کو ثابت کرنے کے طریقے کیا ہیں، مدلول پر دلالت کے اسالیب ومناہج سے واقف ہو، احکام کے مراتب کو جانتا ہو، اور قیاس کی صورت میں اس کی معتبر شروط سے آگاہ ہو، یہ بھی جانتا ہو کہ تعارض کی صورت میں ترجیح کی صورت کیا ہوگی، اور یہ کہ احکام شرعیہ کی اپنے مآخذ سے استدلال واستنباط کی صورت کیا ہوگی، مجتہد کو اس بات پر بھی قادر ہونا چاہیے کہ وہ احکام شرعیہ کو صحیح طور پر منضبط کر سکے اور ان کی توضیح وتشریح بھی کر سکے، نیز ان پر وارد ہونے والے اعتراضات کا رد بھی کر سکے۔

آمدی رحمہ اللہ نے کوشش کی ہے کہ تمام ضروری شرائط کو اس مختصر عبارت میں سمو دیں، انہوں نے مدارک کی اصطلاح غالباً امام غزالی رحمہ اللہ سے لی ہے، اس سے مراد احکام شرعیہ کے چاروں مآخذ یعنی قرآن، سنۃ، اجماع اور قیاس ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے تو چوتھا مآخذ عقل کو قرار دیا ہے، گویا ان کے نزدیک چوتھا مآخذ محض قیاس تک محدود نہیں بلکہ عقلی استدلال کے دیگر مناہج بھی داخل ہیں۔ آمدی بظاہر مدارک الاحکام میں قیاس ہی کو شامل کرتے ہیں۔ قیاس پر انہوں نے تفصیل سے بحث کی ہے، احکام شریعہ کی اقسام کی طرف آمدی ہی توجہ دلاتے ہیں ورنہ شرائط مجتہد کے تذکرہ میں دیگر فقہاء نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ آمدی اس بات کو اہمیت دیتے ہیں کہ مجتہد کو اچھی طرح علم ہونا چاہیے کہ وہ جس حکم کو ثابت کر رہا ہے وہ واجب کا درجہ رکھتا ہے یا مندوب ومستحب کا، یا یہ کہ نصوص سے کسی چیز کا محض مباح ہونا ثابت ہو رہا ہے، اور اگر حرمت ثابت ہو رہی ہے تو کس درجہ کی ہو رہی ہے، کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی، وغیرہ۔

یہ وہ شرائط ہیں جنہیں عام طور پر ہمارے متقدمین فقہاء مجتہد کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ فقہاء متاخرین، خاص طور پر ہمارے معاصر فقہاء بھی ان شرائط کو ضروری قرار دیتے ہیں، البتہ ان شرائط میں انہوں نے کچھ تبدیلیاں کی ہیں، مثلاً وہ امام غزالی رحمہ اللہ کی اس شرط کو ضروری نہیں سمجھتے کہ مجتہد فلسفہ اور منطق کا عالم بھی ہو۔

اگر امام غزالی، امام رازی رحمہم اللہ کی رائے کا یہ مفہوم لیا جائے کہ مجتہد کے لیے منطق کا علم اس لیے ضروری

ہے تا کہ وہ استدلال واستنباط میں غلطی نہ کرے، بلکہ عقلی استدلال کو پوری قوت کے ساتھ پیش کر سکے تو پھر قدیم فلسفہ ومنطق پر اصرار کی ضرورت نہیں، بلکہ مجتہد کے لیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اپنے دَور میں رائج فلسفہ اور طرز استدلال سے واقف ہو تا کہ اپنی رائے کو اس انداز سے پیش کر سکے کہ اس دور کے لوگ اس کی رائے کو سمجھ سکیں، اور اگر زیر بحث مسئلہ کا تعلق بین الممالک تعلقات سے ہے تو اسے اپنے دور کے بین الممالک امور، عالمی معاہدات اور بین الاقوامی اصولوں سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آج کے دور میں مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھنے والے اپنے اپنے شعبہ زندگی کے امور ومعاملات پر غور وفکر کر کے کوئی رائے پیش کرنے کے اہل ہو ں گے۔ بعض امور ایسے ہوں گے جن کا تعلق معاشی معاملات سے ہوگا، ان میں ان فقہاء کی رائے زیادہ معتبر ہوگی جو معاشیات کے مسائل کو سمجھتے ہوں، اسی طرح وہ امور جن کا تعلق نظم مملکت وسیاست سے ہوگا، ان میں وہ فقہاء بہتر رائے دے سکتے ہیں جو ریاستی امور کو سمجھتے ہوں اور سیاسی معاملات کی سوجھ بوجھ بھی رکھتے ہوں۔ زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں اسی طریق کار کو اختیار کیا جائے گا۔

امام شاطبی رحمہ اللہ نے مجتہد کے لیے دو شرطیں ضروری قرار دی ہیں، ایک مقاصد شریعہ کا ادراک اور دوسری شرط یہ ہے کہ مقاصد کے فہم کی بنیاد پر استدلال واستنباط کی صلاحیت وقدرت حاصل ہو۔ امام شاطبی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

((انما تحصل درجة الاجتهاد لمن اتصف بوصفين احدهما مقاصد الشريعه على كما لها،والثانى التمكن من الاستنباط بناءً على فهمه فيها))

''اجتہاد کا درجہ اسی فرد کو حاصل ہو سکتا ہے جس میں یہ دو وصف موجود ہوں، ایک مقاصد شریعت کا علم بدرجہ کمال حاصل ہو اور دوسرے دین وشریعت کے فہم کی بنیاد پر استدلال و استنباط کی قدرت موجود ہو''۔(۹)

معاصر فقہاء میں وہبہ زحیلی نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ مجتہد کی شرائط پر انہوں نے اپنی کتاب اصول الفقہ الاسلامی میں مبسوط بحث کی ہے۔ زحیلی نے مجتہد کے لیے آٹھ شرائط بیان کی ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ مجتہد قرآن حکیم میں مذکورہ آیات احکام کو سمجھتا ہو، ان کے لغوی اور شرعی مفہوم پر اس کی نظر

ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ مجتہد تمام آیات احکام کا حافظ ہو، یا مکمل قرآن کریم اسے حفظ ہو، بس اس قدر کافی ہے کہ اسے علم ہو کہ آیاتِ احکام کون کون سی ہیں اور ان کا تعلق کن سورتوں سے ہے تا کہ بوقت ضرورت وہ ان آیات کی طرف رجوع کر سکے۔

وہبہ زحیلی امام شوکانی رحمہ اللہ کی اس رائے سے متفق نظر آتے ہیں کہ مجتہد کا علم صرف آیات احکام تک محدود نہیں ہونا چاہیے جن کی تعداد امام غزالی، امام رازی اور ابن العربی رحمہم اللہ نے پانچ سو بتائی ہے۔ مجتہد کے لیے اہم بات یہ ہے کہ اسے قرآن حکیم کا صحیح فہم حاصل ہو، اور آیات میں غور وفکر کے ساتھ مسائل واحکام کے استنباط کی صلاحیت بھی رکھتا ہو تا کہ وہ قصص وامثال پر مشتمل آیات سے بھی احکام کا استنباط کر سکے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ احادیث احکام پر بھی گہری نظر رکھتا ہو۔ نہ صرف یہ کہ لغوی اعتبار سے ان کا مفہوم سمجھتا ہو بلکہ حدیث کی عبارت میں جو شریعت کے احکام بیان کیے گئے انہیں بھی اچھی طرح سمجھتا ہو۔ حدیث کے معاملہ میں بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ مجتہد تمام احادیث احکام کا حافظ ہو، بس اس کی یہ قدرت وصلاحیت کافی ہے کہ وہ بوقت ضرورت ان احادیث کی طرف رجوع کر سکے۔ ابن العربی رحمہ اللہ نے احادیث احکام کی تعداد تین ہزار بتائی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ وہ احادیث جن میں رہنما اصول پائے جاتے ہیں اور جن پر علوم سنت کا دارومدار ہے تقریباً بارہ سو ہیں۔ وہبہ زحیلی کی رائے یہ ہے کہ یہ تحدید مناسب نہیں، احادیث احکام بہت زیادہ ہیں اور ذخیرہ احادیث میں منتشر اور پھیلے ہوئے ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ مجتہد احادیث کے معروف ومتداول مجموعوں سے واقف ہو۔ اہل فن نے علم حدیث پر جو کتابیں مدون ومرتب کی ہیں ان پر ان کی نظر ہونی چاہیے، مثلاً صحاح ستہ اور ان سے ملحق کتابیں جیسے سنن بیہقی، سنن دار قطنی، سنن دارمی وغیرہ، اسی طرح وہ کتابیں جن کے مصنفین نے صحت روایت کو ملحوظ رکھا ہے مثلاً صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح حاکم نیشاپوری وغیرہ۔ احادیث کے ان متداول مجموعوں سے واقف ہونا اس لیے ضروری ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حدیث کے موجود ہوتے ہوئے بھی مجتہد قیاس ورائے سے کام لے۔ حدیث کے سلسلہ میں متن حدیث کے ساتھ اس کی سند سے واقف ہونا بھی ضروری ہے تا کہ اسے حدیث کے درجہ کا بھی علم ہو۔

قرآن وسنت میں ناسخ ومنسوخ کے علم کو تیسری شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ مجتہد جس آیت یا حدیث سے

استدلال کر رہا ہے، اسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا حکم باقی ہے، اور یہ کہ کسی دوسری آیت یا روایت نے اسے منسوخ نہیں کیا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ ان مسائل سے واقف ہو جن پر اجماع ہو چکا ہے، نیز مواقع اجماع سے بھی آگاہ ہو، تا کہ اجماع کے خلاف کسی رائے کا اظہار نہ کرے۔ مجتہد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اسے وہ تمام مسائل مستحضر ہوں جن پر اجماع ہو چکا ہے، بلکہ جس مسئلہ کے بارے میں وہ اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہتا ہے یا جس کے بارے میں فتویٰ دینا چاہتا ہے، اس کے بارے میں اسے یہ علم ضرور ہونا چاہیے کہ اس کی رائے یا فتویٰ اجماع کے خلاف نہیں ہے۔

اجماع کے باب میں ابن حزم رحمہ اللہ کی کتاب ''مراتب الاجماع'' پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مجتہد قیاس کے منہج، طریقوں اور شرائط سے واقف ہو، وہ احکام کی علتوں کا ادراک رکھتا ہو، اور نصوص سے استنباط کے مناہج کو جانتا ہو۔ لوگوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو بھی سمجھتا ہو۔ شریعت کے اصول اور قواعد کلیہ پر اس کی نظر ہو، اس لیے کہ قیاس اجتہاد کا ایک اصول اور منہج ہے، اس کی بنیاد پر بہت سے تفصیلی احکام مرتب ہوتے ہیں۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ مجتہد عربی زبان اور اس سے متعلقہ علوم کو سمجھتا ہو، مثلاً لغت، صرف ونحو، علم بیان ومعانی وغیرہ، یہ اس لیے ضروری ہے کہ قرآن حکیم اور سنت طیبہ دونوں کی زبان فصیح وبلیغ عربی زبان ہے، لہٰذا قرآن وسنت سے استنباط احکام کے لیے ضروری ہے کہ مجتہد کلام عرب کے مفردات اور مرکبات اور مختلف تراکیب کلام کی خصوصیات کو سمجھتا ہو، عام، خاص، مطلق، مقید، حقیقت ومجاز کی باریکیوں پر اس کی نظر ہو، عبارت میں پائی جانے والی دلالتوں کو سمجھتا ہو۔ یہاں بھی یہ ضروری نہیں کہ یہ تمام علوم اسے مستحضر ہوں، یہ کافی ہے ان علوم کو سمجھتا ہو اور ان علوم سے متعلق کتابوں کی طرف رجوع پر قدرت رکھتا ہو۔ امام راغب اصفہانی کی کتاب ''مفردات القرآن'' اور ابن الاثیر کی کتاب ''النہایہ فی غریب الحدیث والاثر'' اہم کتب ہیں۔

ساتویں شرط علم اصول فقہ سے آگہی ہے۔ یہی وہ علم ہے جس پر اجتہاد کا دارومدار ہے۔ اصول فقہ میں تفصیلی دلائل پر بحث ہوتی ہے۔ اور دلائل ایک معین کیفیت کے حوالے سے حکم پر دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کیفیت کو جاننا ضروری ہے مثلاً یہ جاننا کہ یہ کیفیت امر کی ہے یا نہی کی۔ اس میں عموم کی کیفیت پائی جاتی ہے یا خصوص کی وغیرہ۔

استنباط احکام کے وقت ان کیفیتوں کو سمجھنا اور ہر کیفیت کے حکم کو جاننا ضروری ہے، یہ سب کچھ جاننے کے لیے علم اصول فقہ پر دسترس ضروری ہے۔

آٹھویں شرط مقاصدِ شریعہ کا ادراک ہے۔ مجتہد جب بھی اجتہاد کرے اسے چاہیے کہ وہ مقاصد شریعت کو استنباط احکام کے وقت ضرور ملحوظ رکھے، اس لیے کہ نصوص کا فہم اور مسائل وواقعات پر ان کی تطبیق کا دارومدار مقاصد شریعہ پر موقوف ہے۔

قانون سازی اور استنباط احکام کے لیے اسرار شریعت، اس کی حکمت اور عمومی مقاصد کا فہم وادراک بہت ضروری ہے، اس لیے کہ بسا اوقات نصوص کے الفاظ ایک سے زیادہ معانی پر دلالت کرتے ہیں، کبھی الفاظ میں ایک سے زیادہ مفہوم کا احتمال ہوتا ہے۔ ان متعدد احتمالات میں اس احتمال کو ترجیح دی جاتی ہے جو مقاصد شریعہ سے ہم آہنگ ہو۔ تعارض ادلہ کی صورت میں اس دلیل کو ترجیح دی جاتی ہے جو مقاصد شریعہ سے قریب تر ہو۔ (۱۰)

بعض معاصر فقہاء نے زمانہ کے حالات اور لوگوں کے مزاج وتہذیب سے واقفیت کی طرف خاص طور پر توجہ دی ہے، مثلاً یوسف القرضاوی نے مجتہد کی اہلیت وصلاحیت پر بحث کرتے ہوئے یہ عنوان قائم کیا ہے: ''معرفة الناس و الحياة ''یعنی اپنے زمانہ کے لوگوں سے واقف ہو، ان کی عادات واطوار، رسوم ورواج اور اپنے زمانہ کے اجتماعی حالات اور زندگی کے مسائل کو سمجھتا ہو۔ یوسف القرضاوی نے اس شرط کو مجتہد کی شرائط میں ساتویں نمبر پر بیان کیا ہے۔ (۱۱) ایک اور معاصر فقیہہ عبدالمجید محمد السوسوہ بھی مجتہد کے لیے اس شرط کو ضروری قرار دیتے ہیں، انہوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے ''معرفة احوال عصره ''یعنی معاصر زمانہ کے حالات اور لوگوں کے مزاج، عرف وعادات اور رسوم ورواج سے واقفیت ضروری ہے۔

حالات اور زمانہ پر نظر کا تصور مذکورہ دونوں فقہاء نے ابن قیمؒ رحمہ اللہ سے اخذ کیا ہے۔ ابن قیمؒ رحمہ اللہ نے اس شرط کو مفتیوں اور حکمرانوں کے لیے ''اعلام الموقعین'' میں بیان کیا ہے، اس لیے کہ حکم یا فتویٰ کا زمان ومکان، لوگوں کے احوال وعادات اور تہذیب وتمدن سے گہرا تعلق ہو جائے گا۔ (۱۲)

مجتہد کو اگر اپنے دَور کے حالات وافکار سے واقفیت نہ ہو تو اس کے لیے زیر غور مسئلہ کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، اس لیے کہ ''مجتہد فیہ'' (وہ مسئلہ جو معاشرہ میں پیدا ہوتا ہے) اجتہاد کا ایک رکن ہے، اور

اس کا زمان ومکان سے، معاشرہ اور حالات سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ لہذا مجتہد کو زیر بحث مسئلہ کا تمام پس منظر جاننا چاہیے، اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس مسئلہ کے پس پردہ کیا اسباب کارفرما رہے ہیں، مسئلہ کن عوامل اور وجوہات کی بناء پر وجود میں آیا ہے۔ دراصل مجتہد کی حیثیت ایک نباض طبیب کی سی ہوتی ہے، جس طرح ایک ماہر طبیب مرض کی تشخیص کرنے کے بعد علاج تجویز کرتا ہے، اسی طرح مجتہد افراد اور معاشرہ کے حقیقی مسائل کو سمجھ کر ان کا حل پیش کرتا ہے، اور جس طرح ایک دیانت دار طبیب علاج کرتے ہوئے اپنی خواہشات کو حائل نہیں ہوتے دیتا بلکہ فن طب کے اصولوں سے رہنمائی حاصل کر کے علاج کرتا ہے، اسی طرح ایک مجتہد بھی دیانت داری کے ساتھ شریعت ہی کا نقطۂ نگاہ بیان کرتا ہے، وہ شریعت کے دیئے ہوئے اصولوں کی روشنی میں مسائل کا حل دلائل کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ جس طرح وہ طبیب کامیاب نہیں ہو سکا جو فن طب میں تو مہارت رکھتا ہو لیکن مریض کی شخصیت، مزاج، نفسیات اور اس کے خاندان کے حالات سے واقف نہ ہو، اسی طرح اس مجتہد کی رائے بھی قابل عمل نہیں ہو سکتی جو علوم وحی کو تو خوب سمجھتا ہو لیکن اپنے زمانہ کے معاشرتی حالات، تہذیب وتمدن اور عرف وروایات سے واقف نہ ہو۔

یہ وہ شرائط ہیں جنہیں عام طور پر متقدمین فقہاء اجتہاد کے باب میں زیر بحث لاتے ہیں۔ اصول فقہ میں مجتہد کی شرائط پر بحث کرتے ہوئے بہت سے اہل علم نے اپنے اپنے ادوار اور زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے کچھ کمی بیشیاں بھی کی ہیں۔

آج یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ ہمارے اس دور میں مجتہد کے لیے کون سی شرائط ضروری قرار دی جا سکتی ہیں، کیا ان تمام شرائط کو ضروری قرار دیا جائے جنہیں ہم نے اوپر ذکر کیا ہے یا آج کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان میں کمی بیشی یا حذف واضافہ کیا جا سکتا ہے؟

جہاں تک قرآن وسنت کے علوم کا تعلق ہے تو ان کا فہم وادراک تو ہر صورت ضروری ہے۔ اس کے بغیر تو اجتہاد کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن وسنت کے علوم سے آگاہی کی شرط تو خود قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾

''اگر کسی بات میں اختلاف رائے واقع ہو تو اس کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اور انجام کار بھی یہی اچھا ہے''۔

اس آیت مبارکہ میں ''فی شئ'' نکرہ استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ جس قسم اور جس نوعیت کا بھی ہو، اس کا تعلق دینی امور سے یا دنیوی امور سے، سب سے پہلے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ یہی بات متعدد احادیث سے بھی ثابت ہوتی ہے، لہذا مجتہد کے لیے قرآن وسنت کا علم ہر صورت لازمی ہے۔

قرآن وسنت کی زبان چونکہ عربی ہے، لہذا اس پر عبور حاصل ہونا ایک منطقی تقاضا ہے۔ البتہ مجتہد کے لیے یہ بات ضروری قرار نہیں دی جاسکتی کہ اسے احادیث کا تمام ذخیرہ مستحضر ہو۔ بس اتنا کافی ہے کہ وہ قرآن وسنت کا عمومی فہم رکھتا ہو اور متعلقہ آیات واحادیث کو تلاش کر کے ان پر غور وفکر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، ضرورت پڑنے پر روایات کو جرح وتعدیل کے اصولوں پر پرکھ کر ان کا درجہ متعین کر سکتا ہو۔ انٹرنیٹ اور سی ڈیز نے اس سلسلہ میں بہت سہولت مہیا کر دی ہے ان سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ پھر ان نصوص کی روشنی میں زیر غور مسئلہ کا جو حل اسے سمجھ آئے اسے اُمت اور اہل علم کے سامنے پیش کر دے۔ اس سلسلہ میں اجتہاد کا ذور اور استدلال واستنباط کی فکری صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔

موجودہ دور کے مجتہد کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے دَور کے حالات ومسائل پر بھی نظر رکھتا ہو۔ نہ صرف یہ کہ اپنے خطہ کے لوگوں کے سماجی، معاشی، معاشرتی، اور سیاسی حالات سے واقف ہو بلکہ بین الاقوامی امور اور اقوام عالم کی فکری واجتماعی، سیاسی رجحانات کو بھی سمجھتا ہو، اور شریعت کے اصولوں کو اپنے دَور کے حقیقی مسائل پر منطبق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ آج کے دَور میں بہت سے معاشی، سیاسی، انتظامی اور طبی مسائل ایسے ہیں جن پر اہل علم کو فقہی وقانونی نقطۂ نگاہ کو اجاگر کرنے اور ان امور کے بارے میں شریعت کا نقطۂ نگاہ ادلہ شریعہ کی روشنی میں واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

مجتہد کے لیے ایک اہم ترین شرط جسے آج کے دَور میں ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس کی اہمیت

اور ضرورت کو گھٹایا جا سکتا ہے، وہ ہے مجتہد کا اعلیٰ کردار اور اس کی عملی زندگی۔ جمہور امت نے اجتہاد اور فتویٰ دونوں کے سلسلہ میں ہمیشہ ان اہل علم کی رائے پر اعتماد کیا ہے جن کی عملی زندگی میں تقویٰ اور مکارم اخلاق کی جھلک نظر آتی ہو۔ متقدمین کے ہاں عدل کی شرط کا مطلب بھی یہی ہے کہ مجتہد صاحب کردار اور باعمل انسان ہو۔

موجود دور کے حالات اور ضروریات کے پیش نظر یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ ہم انفرادی اجتہاد کے مقابلہ میں اجتماعی یا مشاورتی اجتہاد کو رواج دیں۔ خلفاء راشدین کے عہد میں اجتہاد کا یہ اسلوب بہت موثر رہا ہے۔(۱۲)

آج ملکی حالات اور بین الاقوامی ضرورت کے پیش نظر، نیز ملک وملت میں یک جہتی اور اتحاد پیدا کرنے کے لیے یہ مناسب ہوتا ہے کہ ملت کے اجتماعی امور میں اجتہاد کا اختیار کسی ایسے بااختیار ادارے کو سونپ دیا جائے جو نہ صرف یہ کہ قانون سازی کا اختیار رکھتا ہو بلکہ وہ تطبیق وتنفیذ کے اختیارات بھی رکھتا ہو۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ نے تقریباً ستر سال قبل اسمبلی کے ذریعہ اجتماعی اجتہاد کا تصور پیش کیا تھا۔ غالباً علامہ نے اجتماعی اجتہاد کا تصور عہد خلفاء راشدین سے لیا تھا، اس لیے کہ خلافتِ راشدہ کے دَور میں اُمت کے تمام اجتماعی امور باہمی مشوروں سے طے کیے جاتے تھے۔ مشاورت میں شریک اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجتہاد کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اجتماعی اجتہاد کا تصور پیش کرتے ہوئے علامہ کے ذہن میں یقیناً ایک ایسی اسمبلی کا تصور تھا جس کے ارکان علم و عمل کے لحاظ سے اس درجہ کے ہوں کہ وہ یہ اہم فریضہ انجام دے سکیں۔ اسمبلی کے تمام ارکان کا علم وفاضل ہونا تو شاید ممکن نہ ہو، لیکن کچھ ایسے جید علماء کی موجودگی بھی کافی ہو سکتی ہے جو دین وشریعت کے نقطہ نگاہ کی وضاحت کر سکیں اور اسمبلی کے ارکان کی دینی امور میں رہنمائی کر سکیں۔ اقبال رحمہ اللہ یہ بھی تجویز کرتے ہیں کہ اگر ضروری ہو تو اسمبلی کی معاونت کے لیے علماء کی مجلس یا کونسل بھی بنائی جا سکتی ہے جو مسائل کا شرعی نقطہ نگاہ سے جائزہ لے کر اپنی رائے سے اسمبلی کو آگاہ کر سکے اور اسمبلی ان کی پیش کردہ تجاویز کی روشنی میں فیصلے کرے۔(۱۳)

ہماری رائے میں علامہ اقبال رحمہ اللہ کی رائے کو عملی شکل دینے کے لیے کچھ بنیادی فیصلے کرنا ضروری ہیں تا کہ اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو سکیں، اس لیے کہ اس تجویز پر اس وقت تک عمل ممکن نہیں ہو سکتا جب تک عامۃ الناس کو اراکین اسمبلی کی صلاحیتوں پر اعتماد نہ ہو اور دینی وشرعی امور کے بارے میں اہل علم اور عوام ان پر بھروسہ نہ

کرنے لگیں۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے جب یہ تجویز پیش کی تھی تو اس وقت کے اہل علم نے ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ پاکستان بننے اور اسمبلی کے وجود میں آنے کے بعد اسمبلی کے اعلیٰ مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ارکان اسمبلی کی صلاحیتوں اور ان کے تربیتی نظام کی طرف پوری توجہ نہیں دی گئی پاکستان کے آئین کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ صرف ان پاکستانی باشندوں کو اسمبلی کی رکنیت کے لیے اہل قرار دیتی ہیں جو اعلیٰ کردار و اخلاق کے مالک ہوں، اسلام کی حقانیت پر غیر متزلزل یقین رکھتے ہوں، کبائر سے اجتناب کرتے ہوں، معروف پر عمل پیرا ہوں اور منکران سے بچتے ہوں (۱۴) اگر الیکشن کمیشن اور اعلیٰ عدالتیں ان دفعات کے الفاظ اور روح پر عمل درآمد کی ذمہ داری نبھائیں تو اس بات کی اُمید کی جاسکتی ہے کہ بتدریج صورت حال بہتر ہو جائے گی، اور شاید اس احساس کے تحت کہ ارکان اسمبلی شریعت کے اصولوں کے مطابق احکام و قانون سازی کا فریضہ انجام دیں گے، عوام ان کو منتخب کرتے ہوئے اس بات کا ضرور خیال رکھیں کہ جنہیں وہ منتخب کر رہے ہیں وہ علم و عمل کے اعتبار سے بھی اس اہم منصب کے اہل ہوں۔

ہماری رائے میں اراکین اسمبلی کے لیے ماہرین فقہ و قانون کی زیر نگرانی تربیتی کورسز کا اہتمام بھی کیا جانا چاہیے، ان تربیتی کورسز میں شریعت کے بنیادی مصادر، مقاصد شریعہ، استدلال و استنباط کے مناہج، تعارض ادلہ کی صورت میں ترجیح کے اصول وغیرہ پر بحث ہونی چاہیے۔ شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی گذشتہ دو دہائیوں سے ججوں اور قانون دانوں کے لیے مختصر تربیتی پروگرام کا اہتمام کر رہی ہے، یہ فریضہ بھی اس کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں اعلیٰ عدالتوں کے بعض ایسے ریٹائرڈ ججوں کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں جو دین کا اچھا فہم رکھتے ہوں اور جو استدلال و استنباط کی صلاحیت کے مالک بھی ہوں۔

جب تک اسمبلی کو وہ مقام حاصل نہ ہو کہ اس کی رائے اور اجتہاد پر لوگ بھروسہ کرنے لگیں اور یہ کہ شرعی امور میں اس کی رائے پر جمہور اُمت کو اعتماد حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک اسلامی نظریاتی کونسل اسمبلی کی معاونت کر سکتی ہے، البتہ کونسل کے ممبران کا تقرر سیاسی بنیادوں کے بجائے علمی صلاحیت پر ہونا چاہیے تاکہ ان کی شخصیت تنازع بننے کے بجائے قابل احترام رہے اور عامۃ الناس ان حضرات کی رائے پر اعتماد کر سکیں۔

ہمارے ملک کی اعلیٰ عدالتیں بھی اجتہادی عمل میں مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ علماء اور ماہرین فقہ و قانون کی

مشاورت سے پیش آمدہ مسائل کا عدالتیں جائزہ لے کر اپنی ماہرانہ رائے کا اظہار کر سکتی ہیں۔ان کی رائے کو عوام میں وقعت حاصل ہوگی ،اور عدلیہ کو ذریعہ اجتہادی عمل بھی آگے بڑھے گا،اس سلسلہ میں فیڈرل شریعت کورٹ کے بعض فیصلوں کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔(۱۵)

دورِ جدید کی سائنسی ترقی سے بھی اہل علم کو فائدہ اٹھانا چاہیے،اسلامی نظریاتی کونسل اور اعلیٰ عدالتوں کے علمی و تحقیقی مراکز کو پاکستان بلکہ دُنیا بھر کے علمی مراکز ، جامعات ،دارالعلوم اور دارالافتاء وغیرہ سے بذریعہ انٹرنیٹ اور ای میل رابطہ رکھنا چاہیے تاکہ زیادہ سے زیادہ اہل علم کی رائے سے فائدہ اٹھایا جاسکے،اس طرح وجود میں آنے والا آج کا اجتہاد زیادہ قوی اور مضبوط ہوگا اس طریق کار کو اپنانے سے بعض امور پر اجماع کا انعقاد بھی ممکن ہوگا جو مستقبل میں امت کی وحدت کو تقویت پہنچانے میں مدد و معاون ثابت ہوگا۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) الجصاص،الفصول فی الاصول،(عارالکتاب العلمیہ ،بیروت ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰م)ج:۲،ص ۳۶۷

(۲) الجصاص،الفصول فی الاصول ج:۲،ص ۳۶۷

(۳) الماوردی،علی بن محمد بن حبیب،ادب القاضی (تحقیق محی ہلال السرحان)[مطبعہ الارشاد بغداد ۱۳۹۱ھ،۱۹۷۱]ج:۱ ص ۴۹۲

(۴) الغزالی،المستصفی من علم الاصول (منشورات دارالرخاء قم،ایران ت ن ج:۲،ص ۳۵۰

(۵) الرازی،فخرالدین محمد بن عمر،المحصول فی علم اصول الفقہ (تحقیق عدال احمد وعلی محمد معوض)[مکتبہ نزار مطصفی الباز ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء]ج:۴،ص ۱۳۷۵

(۶) الغزالی،المستصفی ج:۲،ص ۳۵۰

(۷) الآمدی،علی بن محمد،الاحکام فی اصول الاحکام (المکتب الاسلامی،بیروت ۱۴۰۲ھ) ج ۴ص ۱۶۲،۱۶۳

(۸) الآمدہ، الاحکام فی اصول الاحکام ج:۴، ص۱۶۲، ۱۶۳

(۹) الشاطبی، ابواسحاق، الموافقات فی اصول الشریعہ (دارالکتب العلمیہ بیروت، ت ن ج۴ ص۷۶

(۱۰) وھبہ الزحیلی، اصول الفقہ الاسلامی، ۲ص۱۰۴۴۔۱۰۴۹، (دارالفکر، دمشق ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶)

(۱۱) یوسف القرضاوی، الاجتہاد فی الشریعۃ الاسلامیہ (دارالقلم کویت ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء) ص۶۰

(۱۲) عبدالمجید محمد السوسوہ، دراسات فی الإجتہاد وفہم النص (دار البشائر الاسلامیہ بیروت ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء) ص۳۴: ابن قیمؒ، اعلام الموقعین (دارالفکر، بیروت ت ن) ج۴ ص۱۹۹، ۳۰۴، ابن قیم کے الفاظ یہ ہیں: ''فان الفتوی تتغیر بتغیر الزمان والمکان، والعوائد والاحوال''

(۱۳) دیکھیے اجتہاد کا مشاورتی اسلوب ''مناہج واسالیب اجتہاد'' میں صفحہ ۴۴/ ۴۵: اجتہاد اور بعض اسالیب اجتہاد پر ایک نظر، فکر ونظر ج شمارہ

(۱۴) اقبال رحمہ اللہ (The reconstruction of Religious Though in Islam ed. by M. Saeed Shaikh) (Institute of Ist. Culture, Lahore, 2003)

(۱۵) دیکھیے آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان دفعہ ۶۲، ۶۳

(۱۶) مثلاً قصاص ودیت سے متعلق عدالت کے فیصلہ کی تفصیل دیکھیے پی پی، ایل، ڈی۔۱۹۸، ایف، ایس، سی۔۳۶۔ جرائم حدود میں نصاب شہادت اور عورتوں کو گواہی سے متعلق پی، ایل، ڈی ۱۹۸۹، ایف ایس، سی ۹۵، پی، ایل، ڈی ۱۹۸۱، ایف، ایس، سی، ۱۴۵ وغیرہ۔ نیز دیکھیے شریعہ کورٹ کا فیصلہ ابوداؤد محمد صدیق بمقابلہ حکومت پاکستان پی، ایل، جے ۱۹۷۲ ایف، ایس، سی ص۴۔